مولانا گیلانیؒ کی ایک گراں قدر تصنیف ''تدوین حدیث''

مولانا ابوسحبان روح القدس ندوی

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء

فتنۂ انکار حدیث کی سرکوبی کے لیے جو دستہ آگے بڑھا اس کے سرخیل سرزمین بہار کے بطلِ جلیل، مایۂ ناز مصنف و مورخ، شیریں بیاں واعظ و مقرر اور خوش الحاں شاعر علامہ سید مناظر احسن گیلانی (۱۸۹۲-۱۹۵۶ء) کا نام نامی ہے، جن کے قلم کی جولانی نے: النبی الخاتم، حضرت ابوذر غفاری، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، تذکرۂ شاہ ولی اللہ، سوانح قاسمی، تذکیر سورۃ الکہف، الدین القیم، اسلامی معاشیات، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت، مقالات احسانی، تدوین قرآن، تدوین حدیث اور تدوین فقہ جیسی عظیم کتابیں اور ان کے بکھرے ہوئے بیسیوں مقالات نے برصغیر کے اسلامی کتب خانوں کو مالا مال کر دیا۔

مولانا علی میاں علیہ الرحمہ ''پرانے چراغ'' (۱) میں مولانا گیلانی پر اپنے تاثراتی مضمون میں لکھتے ہیں:

''بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے، وسعت نظر، وسعت مطالعہ، رسوخ فی العلم اور ذکاوت میں ان کی نظیر اس وقت تک ممالک اسلامیہ میں ملنی مشکل ہے۔ والغیب عند اللہ۔ تصنیف و تالیف کے لحاظ سے وہ عصر حاضر کے عظیم مصنفین میں شمار کیے جانے کے مستحق ہیں، انھوں نے اپنی کتابوں میں جو مواد جمع کر دیا ہے وہ بیسیوں آدمیوں کو مصنف اور محقق بنا سکتا ہے، اس ایک آدمی نے تن تنہا وہ کام کیا ہے جو یورپ میں پورے پورے ادارے اور منظم جماعتیں کرتی ہیں، ان جیسا آدمی برسوں میں پیدا ہوا تھا اور اب ان جیسا آدمی شاید برسوں میں بھی پیدا نہ ہو''۔

آثارِ گیلانی پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا علی میاں رقمطراز ہیں:

''مولانا کے علمی مقالات کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں یک جا اتنا منتشر مواد جمع فرما دیتے ہیں جو آسانی کے ساتھ کسی ایک کتاب میں نہیں مل سکتا، دوسرے منقولات کے ساتھ وہ بہت سی ایسی نئی باتیں لکھ دیتے ہیں جن کی طرف عام طور پر ذہن نہیں جاتا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا نکتہ رس اور نکتہ آفریں ذہن عطا فرمایا تھا، قرآن مجید کی وہی آیات اور صحاح کی وہی احادیث اور تاریخ کے وہی بیانات جو ہم آپ بیسوں بار پڑھ چکے ہیں مولانا ان سے ایسے حقائق ثابت کر دیتے ہیں اور ان سے ایسے عجیب لیکن صحیح نتائج نکالتے کہ حیرت ہوتی ہے''۔ (۲) اس کا بہترین نمونہ ان کی تصنیف ''تدوین حدیث'' ہے۔ (۳)

مولانا گیلانی کا عالمانہ امتیاز ان کے ایک لائق شاگرد ڈاکٹر غلام محمد کی زبانی ملاحظہ ہو:

''مولانا گیلانی کو اپنے معاصر علمائے دیوبند پر مندرجہ ذیل وجوہ سے تفوق حاصل تھا:

١۔ وہ درسیات کے ماہر معلم ہی نہیں بلکہ ایک ''صاحب نظر'' عالم تھے۔
٢۔ وہ تاریخ اور علوم عصریہ سے بھی راست واقفیت رکھتے تھے۔
٣۔ تحقیقات علمی میں ان کی نگاہ دیوبندی اور غیر دیوبندی نقطۂ نظر کی پابندیوں سے آزاد تھی۔
٤۔ انھوں نے خدمت دینی کی جدید راہیں اختیار کیں اور مردانہ وار نکل گئے، اس سلسلے میں وہ سلف کے اقوال یا طرز عمل کو رفیق طریق بنا کر پھر متاخرین کے اختلاف یا معاصرین کے ایراد واعتراض کی پروانہ کرتے تھے۔
٥۔ انھوں نے قدیم لٹریچر کو جدید ضروریات کے لیے اس حسن وخوبی سے برتا کہ اس کی وجہ سے اسلامی محققین اور مجتہدین کی دھاک متجددین پر قائم ہوگئی اور یہ ذہنی مرعوبیت کا ایک موثر علاج ثابت ہوا۔
٦۔ وہ ادب کا ستھرا ذوق رکھتے تھے اس لیے وہ جدید زبان اور اسلوب بیان میں عالمانہ مضامین بہ خوبی پیش کرتے رہے بلکہ ادبی حیثیت سے مولانا کی تحریروں پر غائر نظر ڈالی جائے تو بیسیوں عمدہ اور اچھوتی اصطلاحات ملیں گی جو مولانا کے ہاتھوں زبان اردو کو ملی ہیں۔
٧۔ سیاست کے خارزار سے انھوں نے اپنا دامن بچائے رکھا، مگر ملت کی علمی ودینی ضرورتوں سے کبھی غافل نہیں رہے اور فی زمانہ جس جس محاذ پر علمی مورچوں کے قیام کی ضرورت تھی انھوں نے اپنی ساری جماعت کی طرف سے تنِ تنہا یہ خدمت اس وقت انجام دی جب اور لوگ ادھر سے غافل تھے، چناں چہ تدوین حدیث، تدوین قرآن اور تدوین فقہ ان کی باخبری اور علمی جہاد کی پایندہ یادگاریں ہیں۔(٧)

ہمارے پیش نظر مولانا گیلانی کی ''تدوین حدیث'' ہے جو بہ قول عبدالماجد دریا آبادی:

''تدوین حدیث کی مفصل تاریخ یوں بھی اہم علمی ضروریات میں سے تھی اور امت کے اوپر یہ قرض مدت سے چلا آرہا تھا کہ حال میں جو تحریک انکارِ حجیت حدیث زور پکڑ گئی ہے، اس نے اس علمی ضرورت کو ایک اہم دینی ضرورت بھی بنادیا ہے، الحمدللہ کہ اس موضوع پر قلم فاضل گیلانی نے اٹھایا''۔(٨)

''تدوین حدیث'' کے مشمولات کو مزید اجاگر کرتے ہوے دریا آبادی لکھتے ہیں:

''اس میں حدیث کی شرعی حقیقت، حدیث کی دینی اہمیت وضرورت، اس کی تدوین وحفاظت اور اس کے معیارِ رد وقبول کے متعلق جملہ مباحث پر نہایت تحقیقی وتفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، نیز ان شکوک وشبہات کا نہایت اطمینان بخش جواب دیا گیا ہے، جن کی وجہ سے بعض لوگ حجیتِ حدیث کا انکار کرنے لگے ہیں''۔(٩)

فاضل گیلانی کے طرزِ نگارش پر ان کے معاصر ادیب ومفسر دریا آبادی لکھتے ہیں:

''حسن استنباط، نکتہ آفرینی، دقتِ نظر مولانا کی تحریروں کے خاص جوہر ہیں اور وہ اس کتاب میں بھی اول سے آخر تک نمایاں ہیں''۔(١٠)

اس کتاب کے اہم گوشے کو دریا آبادی نے کس طرح اجاگر کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

''کتاب تاریخ حدیث پر تو ہے ہی، اس کے علاوہ عقائد وکلام پر بھی ایک اعلیٰ کتاب کا کام دے سکتی ہے''۔(١١)

مزید لکھتے ہیں: ''کتاب جہاں منکرینِ حدیث کے پیدا کئے ہوے شبہات کے تسکین بخش جواب دیتی ہے

اوردلوں میں تسلی پیدا کرتی ہے وہیں دوسری طرف حدیث کے ماننے والوں کے غلو اور خبر آحاد کو اس کے مرتبے سے بڑھ کرر کھنے والوں کی مبالغہ پسندی کی بھی اصلاح کرتی ہے''(۱۲)

فاضل گیلانی کی ''تدوین حدیث'' علامہ سید سلیمان ندوی کی فاضلانہ تقریظ سے آراستہ ہے، سید صاحب فتنۂ انکار حدیث کا جائزہ لینے کے بعد رقم طراز ہیں:

''اس زمانے میں بھی ان بدعتیوں کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو ہمت، جرأت بصیرت اوراہلیت واستعداد بخشی جنھوں نے ان کے ہر نیزے کو اپنے سپر سے روکا، ان کے ہر حملے کا کلہ بکلہ جواب دیا، ان کے ہر اعتراض کو دور کیا اوران کے ہر شبہ کو دفع کیا''۔(۱۳)

سید صاحب مزید لکھتے ہیں: ''اس زمانے میں اس فرض کو ادا کرنے کے لیے جو دستہ آگے بڑھا اس کے ہراول میں ہمارے دوست، مناظر اسلام، متکلم ملت، سلطان القلم مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا نام نامی ہے، جن کے قلم کی روانی اسلام کی محافظت میں تیغ رانی کا کام دیتی ہے۔''۔(۱۴)

سید صاحب ''تدوین حدیث'' پر اپنا ریویوان الفاظ میں ختم کرتے ہیں: ''زیر نظر مجموعہ بھی موصوف کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے جس میں انھوں نے زمانے کی ذہنیت اور مذاق کا لحاظ رکھ کر علم حدیث کی تعریف، علم حدیث کی اہمیت، اس کی تاریخ اوراس کے تحریری سرمایہ کا آغاز وانجام اوراس کی تدوین پر محققانہ مباحث لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزاے خیر دے''۔(۱۵)

تدوین حدیث کے فاضل مولف اپنی کتاب کا آغاز ''موضوعِ بحث کی تشریح'' کے زیر عنوان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علم حدیث پر بحث کرنے کے لیے ہمیں اپنے سامنے ان چند سوالات کو رکھ لینا چاہیے:

(۱) حدیث کی حقیقت کیا ہے؟

(۲) اس علم کی تدوین کب، کس طریقے سے، کس زمانے میں شروع ہوئی؟ اوران طریقوں کا اس علم کے وثوق و اعتماد پر کیا اثر مرتب ہوا یا ہوسکتا ہے؟

(۳) ابتدا سے اس وقت تک اس فن کی ممتاز خدمتیں جن بزرگوں نے انجام دیں خود ان کی اوران کے کارناموں کی تفصیل۔

(۴) اس فن کے متعلق کن جدید تکمیلی کوششوں کی ضرورت باقی ہے؟

(۵) حدیث کے بعد فن حدیث کے دوسرے متعلقات یعنی فن اسماء الرجال اوراصول حدیث کی حقیقت، ان کی تاریخ، موجودہ حیثیت، ان میں آیندہ ترقیوں کے امکانات''۔(۱۶)

مولانا نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ'' حدیث نبوی عہد نبوی میں لکھی گئی اوراس کے بہت سارے مجموعے بہت سارے صحابہ کرام کے پاس لکھے ہوئے موجود تھے، پھر جس طرح ہمارے زمانے میں قرآن کے بہت سارے حافظ پائے جاتے ہیں اوروہ قرآن یاد رکھتے ہیں عہد نبوی اور عہد صحابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ احادیث یاد کرتے

اور یاد رکھتے تھے، مولانا نے سب کے لیے تحریری ثبوت فراہم کرنے کی سعی فرمائی ہے، عہد نبوی سے لے کر بعد تک محدثین کے حفظ و اتقان کے بہت واقعات جمع کر دیے ہیں۔۔۔۔اور نام بہ نام بتایا ہے کہ اس معاملہ میں صحابہ کی شیفتگی کا کیا عالم تھا''۔(۱۷)

تدوین حدیث کی تالیف کا پس منظر خود مولف کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''تدریسی اسباق کے ساتھ جو طلبۂ جامعہ (عثمانیہ حیدرآباد) کے لیے مخصوص ہیں کچھ دنوں سے جامعہ میں توسیعی خطبات کا سلسلہ بھی عام لوگوں کے نفع کے لیے جاری کیا گیا ہے، ٹاؤن ہال میں خاک سار نے بھی تدوین حدیث پر نائب امیر جامعہ قاضی محمد حسین صاحب کی فرمائش سے ایک خطبہ دیا تھا، وہی خطبہ مقالے کی صورت میں آج شائع کیا جاتا ہے''۔(۱۸)

اعظم سسٹم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز، حیدرآباد دکن سے ۱۳۵۹ھ میں یہ مقالہ زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ یہ مقالہ مولف کی اجازت سے ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ کے تین شمارے اپریل تا جون ۱۹۴۱ء کی زینت کا باعث ہوا۔

پھر جنوری ۱۹۴۸ تا ۱۹۵۱ کے ماہ نامہ برہان دہلی میں اکتیس قسطوں میں ترمیم و اضافہ کے ساتھ شائع ہوا تھا، ادارہ مجلس علمی کراچی (پاکستان) نے ۴۸۷ صفحات پر مشتمل علامہ سید سلیمان ندوی کے مقدمہ سے آراستہ ۱۹۵۶ء میں شائع کیا اور اس کا عکس مکتبۂ تھانوی دیوبند، سہارن پور نے اکتوبر ۱۹۸۳ء میں چھاپا، کتابی صورت میں اسے ڈاکٹر غلام محمد نے مرتب کیا۔

مولف نے اس کتاب کی تالیف میں اپنا قلم ''عہد مرتضوی اور تدوین حدیث'' پر روک کر ''صحابیت اور حدیث رسول کے خلاف ناپاک اقدام'' اور ''فتنۂ سبائی کے بعد حدیث کی روایت میں احتیاطی اصول'' پر بھرپور روشنی ڈالی ہے جو لائق مطالعہ ہے۔

کتاب کے نامکمل ہونے کا احساس خود مولف علیہ الرحمہ کو بھی تھا جیسا کہ موصوف نے اپنے ایک دیرینہ شاگرد ڈاکٹر غلام محمد صاحب کو ۲۰/اگست ۱۹۵۵ء کے مکتوب میں لکھا ہے:

''اسماء الرجال کے فن پر افسوس کہ نہ لکھ سکا، ایک محاضرہ اس کے لیے ضروری تھا، معلومات فراہم شدہ ہیں، لیکن ترتیب کون دے؟ بندہ کے لیے تو ان چند سطروں کا لکھنا بھی دشوار ہے''(۱۹)

نیز تدوین حدیث کے اختتام پر مولف نے ''فن جرح و تعدیل'' کے چند سطری تعارف کے بعد لکھا ہے:

''۔۔۔۔۔۔یہ اور اسی قسم کے سارے متعلقہ مباحث کے لیے آئندہ باب کا انتظار کرنا چاہیے''۔(۲۰)

جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی کے چانسلر اور بہت سی کتابوں کے مولف ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے علامہ گیلانی کی ''تدوین حدیث'' کو سلیس عربی قالب میں ڈھال کر دار القلم کراچی سے عمدہ گٹ اپ کے ساتھ ۲۰۰۵ء شائع کیا ہے، یہ ترجمہ یکے از مشاہیر و مولفین شام ڈاکٹر بشار عوّاد معروف کے مراجعہ و تعلیق سے آراستہ ہے، ڈاکٹر بشار نے اپنے مقدمے میں ڈاکٹر محمد مصطفی اعظمی کی ۱۹۸۰ء میں فیصل ایوارڈ یافتہ شہرۂ آفاق تالیف ''دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ''

کو بلا دلیل و برہان مولانا گیلانی کی تدوین حدیث کا چربہ قرار دیا ہے، جو درست نہیں۔

مولانا گیلانی کی حیات و آثار کے لیے دیکھیں:

(۱) حیات مولانا گیلانی: محمد ظفیر الدین مفتاحی

(۲) مولانا سید مناظر احسن گیلانی (شخصیت اور سوانح): ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری

(۳) پرانے چراغ (حصہ اول): مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

(۴) مقدمہ مقالات احسانی: ڈاکٹر غلام محمد

(۵) تعارف تدوین حدیث (شامل در کتاب): سید سلیمان ندوی

اب آیئے تھوڑا وقت مولانا گیلانی کے سوانحی خاکہ کو دیں۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء کو اپنے ننھیال موضع استھانواں میں پیدا ہوئے، خاندان کی دینی، اخلاقی، تعلیمی روایات ان کے حصے میں آئی تھیں۔ ان کی ابتدائی فارسی عربی کی تعلیم ان کے چچا کے زیر نگرانی گیلانی میں ہوئی تھی اور بیشتر کتابیں خود انہی نے پڑھائی تھیں۔ تعلیم کا دوسرا دور جو تقریباً آٹھ برس کی مدت پر پھیلا ہوا تھا، ٹونک کے مدرسہ خلیلیہ میں گزرا جہاں خیر آبادی سلسلے کے نام ور عالم مولانا حکیم سید برکات احمد علیہ الرحمہ مسند نشیں صدارت تھے۔ مولانا گیلانی حضرت سید برکات احمد کے درس و صحبت میں خانوادۂ خیر آبادی کے معارف سے خوب خوب سیراب ہوئے۔ مدرسہ خلیلیہ میں فلسفہ و حکمت کے جام لنڈھا چکے تو بخت کی فیروزمندی نے انھیں وقت کے سب سے بڑے محدث و فقیہ اور عارف باللہ مولانا محمود حسن کی خدمت میں پہنچا دیا جو ایشیا میں حدیث و فقہ کی سب سے بڑی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی مسندِ صدارت اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ مولانا حکیم سید برکات احمد کی برکات درس وصحبت نے ان کی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو بیدار کر کے انھیں جلا بخشی تھی اور طبع کو روشن کر دیا تھا۔ حضرت مولانا محمود حسن کے فیضان تعلیم و تربیت، توجہات سامی اور صرف ہمت نے ان کی فطرت کو سعادت، طبع کو سلامتی، فکر کو جہت سفر کو منزل، قلب کو گداز اور ایمان کو پختگی بخشی تھی۔ نیز فکر کی تیزی و براقی کو سعادت سے، خیالات کی بے راہ روی کو سلامتی سے، قلب کی بے چینی اور بے یقینی کو اطمینان سے بدل کر فکر و عقیدۂ اسلامی اور سیرت حسنہ و اعمال صالحہ کا ایک قابل رشک پیکر بنا دیا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ وہ زندگی میں جہاں بھی اور جس حال میں بھی رہے مسلمانوں کے روحانی درد کے درماں کی تلاش اور جسم ملت پر بے دینی کے زخموں کے لیے مرہم کی جستجو ان کا وظیفۂ حیات رہا اور اپنی زبان و قلم دونوں سے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح افکار و اعمال کی خدمت کی انجام دہی میں مصروف رہے۔

مولانا گیلانی رحمۃ اللہ کو وقت کے بڑے بڑے اساتذہ سے تحصیل علمی کی سعادت حاصل ہوئی تھی وہ خود جوہر قابل تھے۔ اور قابل اساتذہ کے فیضان درس اور تربیت نے ان کی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو مزید چمکا دیا تھا۔

ٹونک میں مولانا گیلانی کا زمانۂ تعلیم ۱۳۲۴ھ سے ۱۳۳۱ھ (۱۹۰۶ء تا ۱۹۱۳ء) تک ہے۔ اسی سال شوال ۱۳۳۱ھ (دسمبر ۱۹۱۳ء) میں وہ دیوبند کے مدرسۂ اسلامیہ (دارالعلوم) میں داخل ہو گئے۔

مولانا گیلانی نے شریعت کے اسرار بھی حضرت شیخ الہند کے درس و صحبت میں سیکھے تھے اور طریقت کے ذوق و رموز

سے حضرت ہی کی رشد وہدایت میں آشنا ہوئے تھے۔حضرت شیخ الہند سے نسبتِ تلمذ پر انھیں فخر تھا۔

دیوبند میں جن دوسرے اساتذہ کے سامنے مولانا گیلانی نے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا، ان کا تذکرہ انھوں نے اپنی آپ بیتی ''احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن'' سلسلۂ مضمون میں کیا ہے۔ ان میں حضرت شیخ الہند کے علاوہ مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۹۳۳ء)، مولانا حافظ محمد احمد (م ۱۹۲۸ء)، مولانا حبیب الرحمن عثمانی (م ۱۹۲۹ء)، مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی (م ۱۹۲۸ء)، مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۹۴۹ء)، مولانا غلام رسول خان (م ۱۹۱۸ء)، مولانا سید اصغر حسین (م ۱۹۴۵ء) اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی (م ۱۹۵۷ء) وغیرہم (رحمہم اللہ اجمعین) کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

ان کے اساتذہ میں مولانا حمید الدین فراہی کا اسم گرامی بھی آتا ہے۔حضرت فراہی کو اللہ تعالیٰ نے علوم قرآنی کے خاص ذوق سے بہرہ مند فرمایا تھا۔مولانا گیلانیؒ نے ان سے حیدرآباد کے زمانہ قیام میں علوم قرآنی میں استفادہ کیا تھا۔

مولانا گیلانی کی عمر تقریباً بائیس برس کی تھی جب وہ تعلیم سے فارغ ہوئے تے۔اس کے بعد انھیں معاش کی فکر ہوئی۔اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے پہلے انھوں نے ٹونک کا رخ کیا۔استاذ گرامی سے ملے، مدرسہ خلیلیہ میں مدرس کی کوئی جگہ خالی نہ تھی۔کتب خانے میں فہرست سازی کا کام سپرد ہوا۔اور پانچ روپے تن خواہ قرار پائی۔لیکن دو ماہ کے اندر ہی اندر مدرسہ میں مدرس کی جگہ خالی ہوگئی اور انھیں پندرہ روپے ماہانہ پر استاد مقرر کرلیا گیا۔انھی دنوں ایک ٹیوشن کا انتظام ہوگیا۔اس طرح تینوں ذرائع سے ۲۵، ۳۰ روپے ماہانہ آمدنی کی طرف سے اطمینان ہوگیا۔

چند ماہ کے بعد ہی مولانا نے حیدرآباد کن کے لیے رخت سفر باندھا۔مولانا حیدرآباد پہنچے۔بعض اکابر سے شناسائی پیدا کی۔لیکن ملازمت کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔حالات کا جائزہ لیا اور وطن لوٹ آئے۔مادر علمی کی کشش انھیں دیوبند لے گئی۔مولانا حبیب الرحمن عثمانی نے ان کے حالات سن کر دس روپے ماہانہ مقرر کرتے ہوئے کہا سردست ''القاسم'' و''الرشید'' میں کچھ مضمون نویسی کرو اور درس وتدریس کا کام کرو۔انھوں نے کام شروع کر دیا۔ایک ماہ بعد انھیں معین المدرسین مقرر کردیا گیا اور مشاہرہ تیس روپے مقرر رہا۔

تعلیمی سال کے اختتام پر مولانا گیلانی وطن تشریف لے گئے۔لیکن نئے تعلیمی سال کے آغاز میں انھوں نے مونگیر میں ملازمت تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن بات نہ بنی۔ستمبر ۱۹۱۶ء میں مولانا نے کلکتہ کا سفر کیا۔واپسی پر ایک دن کے لیے حیدرآباد میں ٹرین سے اتر گئے۔اترنے کی وجہ یہ تھی کہ ۴/اکتوبر کو عید الاضحیٰ (۱۳۳۵ھ) تھی، سوچا تھا کہ نماز پڑھ کر اگلے روز پھر سفر شروع کردیں گے۔

حیدرآباد کی ملازمت کا سارا زمانہ مولانا نے عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں درس وتدریس میں گزارا تھا۔ لکچرار سے پروفیسر ہوئے۔آخر میں شعبہ دینیات کے صدر ہوگئے تھے۔اور اسی حیثیت سے ۳۱/مارچ ۱۹۴۹ء کو ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔بعد کا زمانہ مولانا نے اپنے وطن گیلانی میں بسر گیا۔عبادت وریاضت اور مطالعہ وتصنیف میں ان کی زندگی کے آخری ایام بسر ہوئے۔آبائی زمین کی آمدنی اور پنشن کی رقم اتنی تھی کہ بہ اطمینان گزر بسر ہوجاتی تھی۔ اس زمانہ میں مولانا نے تصنیف وتالیف کے بعض اہم کام انجام دیے۔۵/جون ۱۹۵۶ء کو مولانا نے داعی اجل کو لبیک کہا

اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

مولانا گیلانی نے اپنے پیچھے تصنیفات وتالیفات کا جو یادگار ذخیرہ چھوڑا ہے۔ وہ کیفیت وکمیت ہر دو اعتبار سے نہایت قیمتی ہے۔انھوں نے معقولات،منقولات،تذکرہ وسوانح،تاریخ،تعلیم،اخلاق وغیرہ بے شمار موضوعات پر لکھا ہے۔

حضرت مولانا گیلانی کی تحریرات ونگارشات کا جوذخیرہ تصنیفات وتالیفات کی شکل میں مرتب ہو چکا ہے۔ان میں سے چند یہ ہیں: جن تک دستِ شوق کی رسائی ہوئی ہے یا کم از کم علم میں آ چکی ہیں:

۱۔سیرت: النبی الخاتم (صلی اللہ علیہ وسلم) ظہورِ نوریا نیا میلا دنامہ

۲۔تذکاروسوانح: ابوذرغفاری، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، مجدد الف ثانی، تذکرہ شاہ ولی اللہ، سوانح قاسمی (سہ جلد)،سیرت بانی دارالعلوم، بابا رتن ہندی۔

۳۔تفسیر اور حدیث وفقہ: تدوین قرآن، تذکیر بسورۃ الکھف، تدوین حدیث، مقدمہ تدوین فقہ۔

۴۔دین اور اخلاق وتصوف: الدین القیم، مقالات احسانی، مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ، کائنات روحانی۔

۵۔تعلیم: مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، میرا مجوزہ تعلیمی خاکہ۔

۶۔علوم وافکارِ اسلامی: اسلامی معاشیات، اسلام اور نظام جاگیرداری وزمین داری

۷۔خودنوشت: احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن۔

۸۔خطوط: مکاتیب گیلانی مرتبہ مولانا منت اللہ رحمانی مطبوعہ، ۱۹۷۲ء مونگیر (بہار)

۹۔دیگر: ہزار سال پہلے، مضامین گیلانی، افادات گیلانی (الفرقان کا خاص نمبر)

۱۰۔تراجم: صدرالدین شیرازی کی مشہور کتاب ''اسفار اربعہ'' کا ترجمہ۔اس ترجمے کے صفحات کی تعداد ۱۷۵۷ء ہے۔مولانا اس کے شریک مترجم ہیں، پورا ترجمہ ان کی کاوش کا نتیجہ نہیں۔ دارالترجمہ حیدرآباد سے شائع ہوا ہے۔مولانا نے شاہ اسماعیل شہید کی تصنیف ''طبقات'' کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا جو حیدرآباد اور لاہور سے چھپ چکا ہے۔

(مولانا مناظر احسن گیلانی: حیات وخدمات کے موضوع پر پٹنہ میں دوروزہ قومی کانفرنس منعقدہ ۱، ۲ر دسمبر ۲۰۱۸ء زیر اہتمام آئی او ایس نئی دہلی میں پیش کیا گیا)

تذییل: (تکملہ) ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے مولانا گیلانی کی شخصیت اور سوانح پر مشتمل اپنی کتاب (ص ۵۲) پر ان کی ایک کتاب ''بابا رتن: ایک ہندوستانی صحابی'' کا ذکر کیا ہے،اور ان کا رجحان امام ذہبی کی رائے کی طرف ہے۔

دراصل یہ کتاب گیلانی کا ایک پُر از معلومات مقالہ ہے جو ماہ نامہ ''الرشید'' دیوبند میں شائع ہوا، پھر صدیقی بک ایجنسی دیوبند سے ۶۸ صفحات پر مشتمل ۱۹۷۸ء میں کتابی شکل میں چھپا، مولانا گیلانی اپنے اس مضمون کے متعلق رقم طراز ہیں:

''محدثین، علمائے رجال وسیر کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرن ختم ہو گیا، یہ سب سے آخری صحابی تھے، جن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کا دیکھنے والا عالم فانی میں کوئی باقی نہیں رہا، کہ یکا یک چھٹی صدی ہجری کے آخر اور ساتویں صدی کے اوائل میں (گویا چھ سو برس) کے بعد تمام معمورۂ اسلام اس عجیب حیرت خیز خبر سے گونج اٹھا۔

کہ سرزمین ہند میں ایک ہندی نژاد شخص ''رتن'' نامی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت کا مدعی ہے اور اب تک زندہ ہے، عموماً تاجروں، سیّاحوں اور خصوصاً عام متصوفوں نے اس خبر کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیا، حتی کہ یورپ و اندلس تک کے بعض دل دادگانِ احادیث نبوی اُن سے سننے کے لیے بہ ہزار صعوبت ہندوستان پہنچے اور بابا رتن سے ملاقات کی، حدیثیں سنیں۔

حتی کہ رفتہ رفتہ یہ خبر محدثین نقاد کی مجلسوں تک پہنچی کسی نے اُن کو لاغی، کذاب، جھوٹا سمجھا اور بعضوں نے تقدس و احترام کیا، بعد کی ساتویں صدی میں جتنے ائمۂ حدیث یا علمائے تاریخ آئے بعضوں نے تغلیط کے لیے اور بعضوں نے توثیق کے لیے اپنی اپنی کتابوں میں اُن کا تذکرہ کیا''۔ پھر مولانا گیلانی ''رتن'' کی کہانی کی معنویت پر روشنی ڈالتے ہیں:

''اگر چہ یہ فسانہ پارینہ ہو چکا ہے تاہم تعجب انگیز اور حکایت لذیذ ہے''

بعد ازیں مولانا گیلانی نے ''رتن'' کے حالات مورخ صفدی، امام ذہبی اور حافظ ابن حجر کے اقوال و تجزیہ کو قلم بند کر کے اپنی رائے یوں ظاہر فرمائی ہے:

''رہی خود میری رائے تو ہم خود کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں، جس مسئلے میں ایک طرف ذہبی اور دوسری طرف صفدی ہوں تو پھر ہم جیسے بے بضاعتوں کو محاکمہ کا کیا حق ہے''۔

آگے اپنی محتاط رائے لکھتے ہیں: ''بہتر تو یہی تھا کہ ذہبی کی رائے کو ترجیح دی جاتی، جیسا کہ حافظ ابن حجر، قاضی ابن جماعہ کی رائے معلوم ہوتی ہے''۔ انتہی

ابن حجر، ابن جماعہ اور ذہبی نے ''رتن'' اور ''رتنیات'' کو فسانۂ عجائب شمار کیا ہے۔

دیکھئے: ''الاصابہ'' لابن حجر: ٢: ٢٢٥۔ ٢٣٢ (حرف الراء، القسم الرابع) ابن حجر نے آٹھ صفحے میں صفدی، ذہبی اور دیگر اہل علم کی رائے جمع کر دی ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات:

(١) پیش لفظ ''حدیث نبوی کے اولین صحیفے'' از عبد السلام قدوائی ندوی، طبع دوم القدس فاؤنڈیشن لکھنؤ ٢٠٠٦ء

(٢) تعمیر حیات: خصوصی اشاعت بہ یادگار عبد السلام قدوائی، لکھنؤ جنوری ١٩٨٠ء

(٣) تعارف تدوین حدیث: از سید سلیمان ندوی، مکتبہ تھانوی دیوبند، سہارنپور اکتوبر ١٩٨٣ء

(٤) ص ٩٤، نظامی پریس لکھنؤ ١٩٨٦ء بار سوم

(٥) مصدر سابق ص ٦٦

(٦) مصدر سابق برحاشیہ

(۷)مقدمہ مقالات احسانی ص۱۹، ۲۰ کراچی ۲۰۰۵ء
(۸)صدق جدید، لکھنؤ ۱۹/ ۱ پریل ۱۹۵۷ء
(۹)مصدر سابق
(۱۰)ایضاً
(۱۱)ایضاً
(۱۲)ایضاً
(۱۳)تعارف تدوین حدیث
(۱۴)مصدر سابق
(۱۵)ایضاً
(۱۶)تدوین حدیث ص ۳
(۱۷)حیات مولانا گیلانی: محمد ظفیر الدین مفتاحی ص ۳۲۹، بنارس ۱۹۸۹ء
(۱۸)تدوین حدیث (ابتدائی خاکہ مقالہ کی شکل میں) حیدر آباد دکن ۱۳۵۹ء
(۱۹)تدوین حدیث کراچی اڈیشن اور اس کا عکس سہارن پور اڈیشن
(۲۰)مولانا سید مناظر احسن گیلانی (شخصیت اور سوانح): ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ۔ ۲۰۰۲ء۔